آئین ساز قومی اسمبلی کی توجہ کے لئے

مولانا محمد اشرف صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور

پاکستان کی تعمیرِ نو میں اسلام کی اہمیّت

یہ مقالہ پاکستان اکیڈمی برائے دیہی ترقی پشاور کے علماء پراجیکٹ کے منعقد کردہ علماء کنونشن (۲۹ فروری ۱۹۷۲ء) میں پڑھا گیا

۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ اس سرزمین بے آئین کے باشندوں کی نظریں اس پر لگی ہوئی ہیں۔ قومی و ملی بقاء و حیات کی کتنی امیدیں اس سے وابستہ ہیں۔۔۔؟ اس سے ارکان اسمبلی بخوبی آگاہ ہوں گے۔ ہم معزز ارکان کے حق میں نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے پیش نظر مضمون میں نئی آئین سازی کے موقع پر انکی توجہات ایک نہایت اہم مسئلہ کیطرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔۔۔ تشکیل پاکستان کے وقت اسلامیانِ ہند سے جو وعدے کیے گئے تھے ہم آئین سازی کے موقع پر معزز ارکان کو اس مضمون میں اسکی کچھ جھلکیاں بھی دکھانا چاہتے ہیں۔ (سمیع الحق)

★

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ جسکی بنیاد اسلام کے اس جامع اور عالمگیر نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ کہ دینِ اسلام ہی انسانوں کے دینی و دنیاوی تمام مسائل کا حل اور ضرورتوں کا کفیل ہے۔ بانیان پاکستان قائد اعظم مرحوم، لیاقت علی خان مرحوم اور دیگر زعماء لیگ، پاکستان کی جدوجہد میں اسی نظریہ کو لے کر آگے بڑھے

تھے اور اس کی بنیاد پر اسلامیان ہند و پاک نے اپنی امنگیں اور امیدیں اس خطۂ زمین کے ساتھ وابستہ کر دی تھیں جس کا نام پاکستان تھا۔ اور جس میں بقول لیاقت علی خان مرحوم اسلامی نظریۂ حیات کو عملی طور پر رائج کرنا اور اسے اسلامی نظامِ حیات کا تجربہ گاہ بنانا تھا۔ قائد اعظمؒ نے اپنے کئی بیانوں میں اس بات کو واضح فرمادیا تھا، کہ قرآن ہی مسلمانوں کا واحد ضابطۂ حیات ہے، جس میں اسکی آئینی، قانونی، مجلسی، معاشی، معاشرتی، غرض زندگی کے ہر ایک پہلو کا کامیاب حل موجود ہے۔ یاد دہانی کے طور پر چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

قائد اعظمؒ نے نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر کے موقع پر بمبئی سے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے، کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

گاندھی کو اگست ۴۴ ۱۹ء میں لکھتے ہیں:

"قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی و دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی، غرضیکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لیکر روزانہ امورِ حیات تک، روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض تک۔ اخلاق سے لیکر انسدادِ جرائم تک۔ زندگی میں جزا اور سزا سے لیکر عقبیٰ کی جزا و سزا تک ہر ایک فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔"

ستمبر ۱۹۴۵ء کے پیغام عید میں فرمایا:

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادت اور اخلاقیات تک ہی محدود نہیں بلکہ قرآن کریم سب مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانونِ حیات ہے۔ یعنی مذہبی اور معاشرتی تمدنی، تجارتی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔"

۱۹۴۴ء میں علی گڑھ میں ایک تقریر کے دوران فرمایا:

"رہنمائی کے لئے ہمارے پاس اسلام کی عظیم الشان شریعت موجود ہے...... اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض بجالائے۔"

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن جالندھر ۱۹۴۳ء کی صدارتی تقریر میں واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

"مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا۔ پاکستان کا طرزِ حکومت تعین کرنے والا میں کون! یہ کام پاکستان کے رہنے والوں کا ہے، اور میرے خیال میں مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا ہے۔"

تقسیم سے پیشتر لیاقت علی خان مرحوم نے جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے سامنے ایک نہایت اہم سوال درپیش ہے اور وہ یہ کہ تم کس نظام کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنی آئندہ زندگی اسلامی طور و طریق اور آئین و قوانین کے بموجب بسر کرنا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہم کو ایک آزاد اور خود مختار سلطنت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نظامِ زندگی کیا ہے۔ اور کن اصولوں پر اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جائے گی۔ اس سوال کا جواب مسلمان کے پاس سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ مسلمان کے پیش نظر اس مقصدِ حیات کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو برس قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام الٰہی لیکر تشریف لائے تھے۔ اب وہ ہمارے پاس ہے۔ اور وہ دنیا کی عظیم المرتبت کتاب قرآن شریف میں اب بھی بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ ہر مسلمان کا دین و ایمان ہے کہ اس کی موت و حیات سب اللہ ہی کے لئے وقف ہے۔ اللہ ہی ہمارا بادشاہ ہے۔ اور وہ ہی ہمارا حکمران ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جو کوئی بھی حکومت کرتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے حکومت کرتا ہے۔ کیونکہ تمام حاکمیت اور طاقت اللہ ہی کو زیبا ہے۔ اسلامی نظامِ زندگی انسان کا ساختہ پرداختہ نہیں ہے۔ بلکہ واقعی طور پر وہ اس دنیا میں عمل پذیر رہ چکا ہے۔ اور اب بھی ہمارے پاس موجود ہے۔"

ان زعماء ملت کے یہ واضح اعلانات حقیقتاً اس سچائی پر مبنی تھے کہ امت محمدیہ مرحومہ کا اپنا ایک خاص مزاج ہے۔ اور یہ لافانی اور بے مثال امت اپنے قوام و تشکیلِ ملّی میں صرف اس اندرونی یقین و اعتقاد و جذبہ وعمل کی محتاج ہے جسے ایمان کہتے ہیں۔ امت محمدیہ کا مزاج سراسر دین پر قائم ہے۔ اگر اس کے دینی مزاج کی رعایت نہیں کی جائے گی تو یہ ملت من حیث الامت ختم ہو جائے گی۔ دوسری قومیں رنگ و نسل و وطن و زبان کی بنیادوں پر تشکیل پاتی ہیں۔ لیکن اسلام ان میں سے کسی بنیاد کو اصل قرار نہیں دیتا۔ وہ ان سب کی تخریب کے لیے

اس مابعد الطبیعاتی جذبۂ ملی پر "امت" کی تشکیل کرتا ہے، جسے "دین" کہتے ہیں۔ اسلام وہ قوی رشتہ ہے۔ جو مختلف قوموں، رنگوں اور نسلوں کے ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ صہیب رومی ہوں یا بلال حبشی، سلمان فارسی ہوں یا ابوبکر قرشی سب ایک ہی ملت واحدہ کے محترم افراد ہیں۔ ان کی "اسلامیت" نے رنگ و نسل کے تمام بندھنوں کو توڑ دیا۔ پولیٹکل سائنٹسٹ موسیو رینان فرنساوی نے کہا ہے:

"کہ قومیت وہ جذبۂ اشتراک ہے جو مختلف افراد کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں مقاصد حیات کی یکجہتی عطا کرتا ہے۔"

اسلام مسلمانوں میں عشق الٰہی و محبت رسول کا والہانہ جذبہ پیدا کر کے اس داعیۂ اشتراک کو جنم دیتا ہے۔ جو عقائد و مقاصد کی یکجہتی میں مختلف ملکوں اور مختلف نسلوں اور مختلف رنگوں مختلف طبقات کے انسانوں کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ یہ رشتہ روحانی نسلی رشتہ سے برتر و قوی ہے۔ چنانچہ مفسرین امام رازی و امام بغوی وغیرہ نے شواہد سے اس حقیقت کو واضح و مبرھن کیا ہے۔ بقول جامیؒ ؎

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اسلامی جذبۂ ملی کے ایک سرشار سلمان فارسی نے "اسلامی قومیت" کی بنیاد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ابی الاسلام لا اب لی سواہ اذا افتخروا بقیس و تمیم

"میرے باپ کا نام اسلام ہے، اسلام کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں پر فخر کرتے ہیں۔ اور میں "مسلم" ہونے پر فخر کرتا ہوں"

اسلام ملت مسلمہ کا اجتماعی نفس ناطقہ ہے۔ اگر اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ ملت کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہوگا۔ تو یہ امت پھلتی پھولتی رہے گی۔ اور جس قدر یہ جذبہ کم ہوتا چلا جائے گا۔ اس پر اضمحلال و زوال کے آثار طاری ہوتے جائیں گے۔ حکیم شاعر اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

جب سرزمین ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

غرض امت محمدیہ اپنے قوام و مزاج میں جملہ امم و ملل انسانیہ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ دین و مذہب کے بغیر اس کا ملی تشخص قطعاً ختم ہو جاتا ہے۔ اقبالؒ نے سچ کہا ہے ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

بہر حال اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد مذہب یعنی اسلام کی اہمیت پاکستان کی تعمیرِ نو میں ظاہر و باہر ہو جاتی ہے۔ ہر وہ نظام زندگی یا طریقہ کار جو اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق نہیں ہوگا۔ پاکستانی ملت کو کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکے گا۔ اس کی دو بڑی وجوہ ہیں۔

۱۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اور اس کا وجود اسلامی نظریۂ حیات کا مرہونِ منت ہے۔ جیسے تحریک پاکستان کا ہر واقف کار جانتا ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ کوئی نظریاتی مملکت اپنے بنیادی نظریہ کو نظر انداز کر کے اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ جیسے کوئی سوشلسٹ مملکت سوشلزم کے نظریہ کو پس پشت ڈال کر اپنی نظریاتی حقیقت کو گم کر دیتی ہے۔ اسی طرح مملکت پاکستان اگر اپنے آپ کو اسلامی نظریۂ حیات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کر پاتی، تو وہ نہ صرف اپنے نظریاتی وجود کو کھو دے گی، بلکہ اس کا اپنا وجود و تشخص اور "نام" بھی (خاکم بدہن) مٹ کر رہ جائے گا۔ وہ ممالک اور قومیں جو وطنیت رنگ اور نسل پر قائم ہیں۔ وہ اگر کسی نظریہ کو قبول یا ترک کر دیں تو ان کی وطنی، لونی اور نسلی انفرادیت باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن اگر پاکستان اسلامی نظریۂ حیات سے دست کش ہو جائے تو اس کے ہاتھ سے وہ رشتہ ہی نکل جائے گا۔ جس نے باشندگانِ پاکستان کو "پاکستانی" بنایا ہے۔ اور بنگالی، بلوچی، پٹھان، سندھی، پنجابی اور مہاجر کو ایک امت کا فرد بنایا ہے۔ غرض پاکستانی قومیت و وطنیت بلکہ اس کا نام تک اسلامی نظریۂ حیات سے باقی و قائم ہے۔ اس لئے پاکستان کی تعمیرِ نو کا تصور بھی مذہب کو نظر انداز کر کے نہیں کیا جا سکتا۔ ہر وہ قدم جو پاکستان میں اسلام کے خلاف اٹھے گا۔ ملک کو مشکلات سے دو چار کر دے گا۔

۲۔ ہر قوم کا خاص مزاج ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد وہ بنیادی عقائد و نظریات، رسوم و رواج ہوتے ہیں۔ جس میں وہ قوم دوسروں سے ممتاز ہوتی۔ امت محمدیہ اپنے مزاج کے لحاظ سے بہر حال "مذہبی" واقع ہوئی ہے، جو اسلام کے خلاف کسی چیز کو گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اس کا اجتماعی مزاج کسی ایسی چیز کو ہضم نہیں کر سکتا۔ جو اسلام کے مخالف ہو۔

ملت پاکستانیہ کا ملی شعور دائمی طور پر کبھی ایسی بات کو قبول نہیں کر سکتا۔ جو مذہب کے خلاف ہو۔ اس وجہ سے قوم کے مذہبی مزاج کو نظر انداز کر کے کوئی قدم ملت کو تعمیر کی راہ پر نہیں ڈال سکتا۔

ان دو اہم بنیادوں کے بیان کے بعد چند حقائق کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

حضرات! اسلام تو نظریہ ہی نہیں، بلکہ بقول قائد اعظم "ایک مکمل اور عملی ضابطہ حیات ہے۔"

دوسرے مذاہب عملی زندگی میں آکر شکست کھا سکتے ہیں۔ لیکن اسلام کا آئین و قانون۔ نظامِ حیات و دستورِ مملکت چودہ سو سال تک عملی کسوٹی پر کسا جا چکا ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اسلام کا خدائی و عادلانہ نظامِ حیات دکھی انسانیت کے لئے واحد پیامِ نجات ہے۔ پاکستان کے مسائل کا حل بھی صرف اسلام ہے۔ جس کے بغیر ہمارا ہر مسئلہ مزید الجھتا جائے گا۔ آج پاکستان کی "وحدت کا راز" مختلف لسانی و علاقائی وحدتوں کو ایک "ملت" کی حیثیت سے مضبوط کرنے میں ہے۔ یہ بات واشگاف لفظوں میں کہی جاسکتی ہے کہ تعمیرِ نو میں اگر اسلام کے "جذبۂ ملی" کو زندہ و باقی رکھنے کی کوشش نہ کی گئی اور "مذہبی وحدت و حمیت" کی آبیاری نہ کی گئی تو خدانخواستہ اس پھول کی مختلف پتیاں بکھر کر رہ جائیں گی، جس کا سب سے بڑا ثبوت سقوطِ مشرقی پاکستان کا دردناک سانحہ ہے۔ اگر ہم نے اپنے دینی مزاج اور مذہبی یکجہتی کو پروان چڑھایا ہوتا۔ تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پاکستان کے مختلف خطوں اور لسانی و ثقافتی وحدتوں کے جوڑنے کا واحد ذریعہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اس نمایاں حقیقت کے بعد تعمیرِ نو میں مذہب کی اہمیت بلکہ سبقت و فوقیت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

پاکستان میں معاشی ناہمواریوں نے معاشرہ میں زلزلہ آگیا ہے۔ اور معاشی بے چینی اور طبقاتی منافرت کا ایسا طوفان برپا ہے جس سے ملک کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ ہمیں یہ بات برملا کہنے میں کوئی باک نہیں۔ کہ پاکستانی بلکہ انسانی معاشی مسائل کا حل صرف اسلام کی لافانی تعلیمات میں ہے۔ اسلام کا نظامِ معاش سرمایہ داری کی قارونیت اور مزدکیت واشتراکیت واشتمالیت کی طبقاتی چپقلش کو بیک وقت ختم کر دیتا ہے۔ اسلام نے معاشی ناہمواریوں کا علاج جس عدل و انصاف سے کیا ہے۔ انسانی خود ساختہ نظام اس کا پر کاہ بھی نہیں کر سکتے۔ اسلام ایک طرف نجی ملکیت اور انفرادی عمل پیدائش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ دوسری طرف تقسیمِ دولت کی ان راہوں کو وجود بخشتا ہے۔ جن سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہتی۔ بلکہ ہر شخص کی ضروریاتِ اربعہ (مکان، خوراک، پوشاک اور تعلیم) کی کفالت کے ساتھ باہمی ہمدردی اور مواسات بھوک و افلاس کو معاشرہ سے ختم کر دیتی ہے۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں ورنہ بتایا جاتا کہ ناجائز پیداوار دولت کے ذرائع سود قمار احتکار حرام آمدنیوں، جن کی کوکھ سے منحوس سرمایہ داری نے جنم لیا ہے۔ اسلام نے کس طرح حرام قرار دیا ہے۔ اور آمدنی کے وہ ذرائع جو دولت کو چند افراد کے ہاتھ میں پہنچا دیتے ہیں۔ انہیں کیسے ختم کیا ہے، جو دولت کسی کے پاس جمع ہے اسے معاشرہ میں منتقل کرنے کے لئے زکوٰۃ و عشر، خمس و

صدقات۔ میراث کے لازمی احکام صادر فرمائے۔ مزید برآں خیرات صلہ رحمی، غریبوں کی غمگساری و مدد وغیرہ کی مستقل خیراتی مدین قائم کیں۔ امیروں کے مال میں ناداروں کا "حصہ وحق" شرعی حدود کے اندر مقرر کیا۔

ناداروں کے مفاد کو مالداروں کا دین قرار دیا۔ اور مالداروں کے حقوق کا پورا کرنا ناداروں کی دینی ذمہ داری قرار دی گئی۔ اسلامی معاشی نظریہ کی بجائے ہر طبقہ کی ضروریات کی کفالت کے ساتھ باہمی ہمدردی و مواسات۔ مواخاۃ و محبت ہے۔ اسلامی معاشی نظریہ انسانوں میں طبقاتی تفریق و منافرت نہیں پیدا کرتا، بلکہ ہر طبقہ کو اپنے دائرہ عمل میں افزائش دولت کے اسباب مہیا کرنے کے ساتھ ایسی باہمی ہم آہنگی اور جوڑ پیدا کرتا ہے، جہاں حسد و رقابت کی بجائے محبت و تعاون کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اسلام میں گو مساوات مالی نہیں، لیکن مساوات رتبی اور مساوات قانونی موجود ہے۔ مجلس رتبہ میں مال و جائداد کی اضافی قدروں کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اخلاق و اعمال کی بلندی۔ "سرفرازی" کا واحد معیار ہے۔ اسلام میں ملک و مال۔ جائداد و جاہ معیار فضیلت نہیں۔ بلکہ علم و تقویٰ اور اخلاق و اعمال ہیں۔ ایک غیور و دیندار صاحب صلاح و تقویٰ مزدور ایک کروڑپتی بداعمال سیٹھ سے اسلام کی نگاہ میں اونچا ہے۔ اسی طرح قانون کی نگاہ میں آقا و غلام شاہ و گدا سب برابر ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام اگر دیانتداری سے نافذ کر دیا جائے تو ایک ایسا ہموار معاشرہ پیدا ہو جائے گا۔ جہاں تمام طبقات باہمی محبت و سلوک حقوق کی ادائیگی۔ خدمت اور مؤانست کی زندگی گذار سکیں گے۔ جہاں آقا و غلام کی تمیز نہیں ہوگی۔ اور جہاں ہر شخص خوشحالی فارغ البالی اور فراوانی کی زندگی گزار رہا ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام کی وسیع سلطنت میں کوئی زکوٰۃ قبول کرنے کے لائق محتاج نہیں رہا تھا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی سلطنت جو موجود مغربی پاکستان کی مشرقی سرحدوں سے لے کر اطلانٹک تک اور دیوار چین سے لے کر وسط افریقہ اور اندلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی نادار ایسا نہ ملتا تھا جسے زکوٰۃ و خیرات دی جا سکے۔ یہ اسلامی معاشی نظام کی برکت تھی۔ کہ جب تک مسلمانوں میں اسلامی اقدار کا پاس رہا۔ طبقاتی منافرت اور مالی حرص و آز کا جہنم وجود میں نہ آ سکا۔ اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے معاشی مسائل کا حل نہ سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں۔ ہم اپنی معاشی تعمیر تو صرف مذہب کے بتائے ہوئے خالص الٰہی اصولوں اور احکام کے مطابق کر سکتے ہیں ورنہ ہر قدم مزید الجھنوں کا سبب بنتا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہمیں بابائے ملت، قائد اعظم کے۔ وہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں جو انہوں نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کی بنیاد رکھتے

ہوئے یکم جولائی ۱۹۴۸ء میں اپنی آخری پبلک تقریر میں فرمائے گئے :

"مغرب کے اقتصادی اصول ہمارے لئے عبرت آموز ہیں، جن کی وجہ سے آج دنیا بحران کا شکار ہے۔ آپ کے تحقیقی ادارے کو چاہیئے کہ وہ اسلامی نظریات پر سماجی اور اقتصادی زندگی کی بنیاد رکھے۔ ایک خوشحال اور مطمئن معاشرے کے لئے مغربی اصول کسی طرح مفید نہیں ہو سکتے۔ ہمیں تو ایک نئے طریق کار کو اپنانا چاہیئے۔ جو انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی ہو۔"

ملک میں جرائم کا جو رجحان اور لاقانونیت کا جو میلان پیدا ہو رہا ہے۔ اس کا علاج مذہبی قوانین اور اسلامی شریعت کا نفاذ و اجراء ہے۔ اسلامی قانون و شریعت کے منافع اور اسلامی نظریہ عدل پر اس مختصر وقت میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم یہ بات بے محابا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ انسانی خود ساختہ قوانین کبھی عادلانہ نہیں ہو سکتے۔ نہ انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ' پورا کر سکتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہر شخص اور ہر انسانی جمعیت و طبقہ کے مخصوص رجحانات، و میلانات۔ تقاضے و مفادات ہوتے ہیں۔ جن سے وہ انسان ہونے کی حیثیت سے کلیۃً کبھی مبرا نہیں ہو سکتا۔ قانون ساز اداروں اور مجالس مقننہ کی روزانہ کی کارروائیاں انسان کی اس بارے میں کوتاہ رسی پر شاہد عدل ہیں۔ ایک ملک کی قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ ایک قانون بناتی ہے، وہ طبقہ جس کا وہاں غلبہ اور اکثریت ہوتی ہے۔ قانون سازی میں اپنے مفادات پر نگاہ رکھتا ہے۔ اگر انصاف ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے تو تاویلات کے پردوں میں اسے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آمریت اور فاشزم میں شخصِ واحد کی انانیت، قانونِ قومی کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ اگر کوئی سرمایہ دار کی بے جا حفاظت کرتا ہے۔ تو کمیونسٹ "مزدور کسان" کی حدود سے بڑھ کر رعایت کرتے ہیں۔ قانون تو وہی عادلانہ ہوگا جس میں کسی کی رعایت نہ ہو۔ ملکی رجحان نہ ہو۔ نسلی میلان نہ ہو۔ لونی پاس نہ ہو۔ علاقائی لحاظ نہ ہو۔ وطنی مفاد نہ ہو۔ طبقاتی عصبیت نہ ہو۔ غیر سے مخاصمت نہ ہو۔ اپنے کی حمایت نہ ہو۔ کینہ پروری نہ ہو، دوست نوازی نہ ہو۔ "مفادات خاصہ" کی ناجائز نگرانی نہ ہو۔ قانون سازی میں مال و جاہ کی طلب نہ ہو۔ مدح و ذم کی پرواہ نہ ہو۔

غرض تمام مفادات سے بالا ہو کر اور ہر "رجحان" سے "تہی خاطر" و خالی دماغ ہو کر محض عدل و انصاف کی بقا کے لئے قانون بنانے یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو اس ذات کا کام ہے۔ جو سب تعلقات سے بری، نہ کسی کا بیٹا نہ کسی کا باپ نہ کسی کا رشتہ دار ہو۔ ہر انفعال سے پاک ہو۔ خوف و رعایت سے مبرا۔ نسلی و لونی ملکی و وطنی بندشوں سے پاک ہو۔ اور وہ ذات

انسان کے عوامض و اندرون اس کی جملہ ضروریات انفرادی واجتماعی سے کلیۃً واقف ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

اللہ تعالیٰ جو قانون دے گا۔ وہ سب انسانیت بلکہ پوری مخلوق کو سامنے رکھ کر اور مستقبل کے وقائع واحوال کو جان کر دے گا۔ جس میں کسی کی رعایت نہیں ہوگی۔ نہ کسی کا "خوف" عدل میں مانع آیا ہوگا۔ وہ ہر ذاتی مفاد سے خالی ہو کر محض مخلوق پروری اور انسانیت کی دادرسی کے لئے دیا جائے گا۔ اس میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ اس میں استحصال وجبر کے چور دروازے نہیں ہوں گے۔ اقبال نے بھی قانون الٰہی اور "قانون غیر" کے بارے میں خوب کہا ہے ؎

وحی حق بینندۂ سود ہمہ — در نگاہش سود و بہبود ہمہ

عادل اندر صلح و اندر مصاف — وصل و فصلش لا یراعی لایخاف

عقل خود بین غافل از بہبود غیر — سود خود بیند نہ بیند سود غیر

غیر حق چوں ناہی و آمر شود — زور ور بر ناتواں قاہر شود

حاصل آئین و دستور ملوک — دہ خدایان فربہ دہقان چوں دوک

غرض ملک میں عدل وانصاف کا چلن صرف اسلامی شریعت کے نفاذ سے ہو سکتا ہے۔ تعیرز میں مذہبی قانون کے نفاذ کی اس وجہ سے بھی ضرورت ہے کہ "قانون" کی بالادستی کا تصور احترام قانون پر مبنی ہے۔ اور وہ قانون صرف "خدائی قانون" ہی ہے۔ جسے پاکستان کے مسلمان غیر شعوری طور پر بھی مقدس مانتے ہیں۔ قانونِ اسلامی کے جملہ فوائد بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم سمجھتا ہوں کہ یہ دو باتیں بھی تعمیرِ نو کے علم برداروں کی ثاقب نگاہوں کے لئے کافی ہوں گی ؎

اے چشم طوفان اشک لانے سے فائدہ

دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

■ ■

بی - سی - ٹی —— مارکہ —— پرزہ جات سائیکل

پاکستان میں سب سے اعلیٰ اور معیاری

بٹ سائیکل سٹور نیلا گنبد لاہور —— فون نمبر 65309